© rasailojaraid.com

تعدّدِ ازدواج پر ایک تحقیقی نظر

(مذاہبِ عالم کا ایک جائزہ)

—— مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اسلام کی ایک غلط تصویر

ایک امریکی پروفیسر گریگوری کوزلوسکی نے لکھا ہے کہ "میں کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں عام امریکی باشندوں کا تصور دو کارٹونوں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان ایک سنگدل اور تشدد پسند ہے، جو ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن تھامے ہوئے ہے۔ اور دوسرے کارٹون کا تصور انتہائی دوسرے سرے پر ہے جس میں مسلمان ایک موٹے تازے اور تیل کی دولت سے مالا مال شیخ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، جس کا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے اور وہ سو بیویوں والا ہے"۔[1]

اس طرح آج اسلام کی ساری خوبیاں اور اس کے سارے اقدار (VALUES) پس منظر میں چلے گئے ہیں اور پروپیگنڈے کی قوت اس طرح غالب آگئی ہے کہ چند بے سروپا قسم کے الزامات یا افواہوں نے حقیقت کی جگہ لے لی ہے۔ اس طرح پروپیگنڈے کے زور پر مسلمانوں کی بھیانک تصویریں کھینچی جاتی ہیں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمان ایک انتہائی متعصب اور جھگڑالو قسم کا آدمی ہوتا ہے جو عموماً کثیر زوجگی کا مرتکب ہو کر (زیادہ تر چار بیویوں والا ہو کر) عورتوں کے حقوق پامال کرتا ہے۔

یہ تو کم پڑھے لکھے طبقے کا حال تھا جو ایک حد تک قابلِ معافی بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

---

[1] اسلامک ہیرالڈ، کوالالمپور (ملیشیا) جلد ۹ شمارہ ۵ ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُسے اسلامی نظام حیات اور اُس کی خوبیوں کے بارے میں کوئی صحیح علم یا واقفیت نہیں ہے۔ لیکن المیہ تو یہ ہے کہ عیسائی دنیا اور مغربی طبقے میں خاص کر تعدد ازدواج یا کثیر زوجگی (POLYGAMY) کے سلسلے میں جو غلط پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اُس کے زیر اثر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا ذہن بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ گویا کہ اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت (ناگزیر معاشرتی واجتماعی ضرورتوں کے تحت مشروط طور پر) دے کر نہ صرف یہ کہ عالمی شریعتوں کے مقابلے میں ایک "بدعت" کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ طبقۂ نسواں کی "توہین" اور اُس کے حقوق پامال کیے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اس مسئلے کو کسی مذہب کی حقانیت کے جانچنے کا ایک اعلیٰ معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو کے وقت یہ مسئلہ سرفہرست رہتا ہے۔ گویا کہ جس مذہب نے اس کی اجازت دی ہو، خواہ اُس کے معقول وجوہات کچھ بھی ہوں، اُس میں سرے سے کوئی خوبی ہی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ اجازت ہزار برائیوں کی ایک برائی ہے۔ یہ اتنا سخت اور سنگین جرم ہے کہ اس کی بنیاد پر اُس مذہب کی تمام خوبیوں پر پانی پھیرا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب کسی تعلیم یافتہ عیسائی یا مستشرق سے اسلام کے متعلق بات چیت ہو تو وہ اپنی گفتگو کا آغاز جان بوجھ کر بالعموم اسی مسئلے سے کرے گا تاکہ اپنی دانست میں اسلام کی "عدم معقولیت" کا یقین دلا سکے، یا اسلام کے بارے میں اُس کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اُسے برگشتہ کرسکے۔

تعدد ازدواج پر ایک مباحثہ

شام کے مشہور ماہر قانون ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں جب وہ دمشق یونیورسٹی کے ایک وفد کے ساتھ ایک تعلیمی وتحقیقی سفر کے تحت لندن گئے تو وہاں پر اُن کی ملاقات پروفیسر انڈرسن سے ہوئی جو لندن یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقی میں مشرقی عائلی قوانین (پرسنل لا) کے صدر تھے۔ ان دونوں کے درمیان تعدد ازدواج (POLYGAMY) کے سلسلے میں جو گفتگو ہوئی وہ اس طرح تھی:

انڈرسن: تعدد ازدواج کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مصطفیٰ سباعی: ایک صالح نظام ہے جو معاشروں کے لیے اکثر حالات میں مفید اور فائدہ بخش ہے، جب کہ اُس کا نفاذ چند شرائط کے ہو۔

انڈرسن: تب تو آپ کی رائے محمد عبدہ (مصر کے ایک مشہور عالم) کی رائے کے مطابق ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کا نظریہ اس سلسلے میں چند شرائط کو واجب قرار دینے کا تھا۔

مصطفیٰ السباعی: قریب قریب، لیکن پوری طرح نہیں۔ بلکہ میرا نظریہ دوسری بیوی کے نفقہ کی استطاعت رکھنے کے لحاظ سے مرد پر شرط عائد کرنے کا ہے، تاکہ اسلام کے مطالبے کے مطابق بیویوں کے درمیان عدل کا اثبات ہوسکے۔

انڈرسن: کیا آپ جیسا آدمی بھی موجودہ دور میں تعدّد ازدواج کا حامی ہوسکتا ہے؟

مصطفیٰ السباعی: میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں آپ مجھے صراحت کے ساتھ اس کا جواب دیجئے۔ اگر کسی کی بیوی کسی متعدی مرض یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس کی شفایابی کی کوئی امید ہی نہ رہ گئی ہو اور وہ نوجوان بھی ہو تو اُس وقت وہ کیا کرے؟ اس صورت میں اُس کے سامنے تین ہی راستے ہوں گے: ایک یہ کہ اُسے طلاق دے دے۔ دوسرا یہ کہ وہ نکاحِ ثانی کرے اور تیسرا یہ کہ وہ اپنی بیوی سے خیانت کرتے ہوئے غیر قانونی طور پر کسی دوسری عورت سے رابطہ رکھے۔ (لہٰذا اب اسے کیا کرنا چاہیے؟)

انڈرسن: اس صورت میں ایک چوتھا راستہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صبر کرے اور اپنے نفس کو حرام سے بچائے رکھے۔

مصطفیٰ السباعی: تو کیا ہر شخص اپنے آپ کو حرام سے بچائے رکھنے کی قدرت رکھتا ہے؟

انڈرسن: ہم مسیحی اس بات کی قدرت رکھتے ہیں، کیونکہ ہمارے نفوس میں ایمان کی تاثیر موجود ہے۔

مصطفیٰ السباعی (مسکراتے ہوئے): کیا آپ ایک مغربی ملک کے باشندے ہوتے ہوئے بھی یہ بات کہہ رہے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات کوئی مسلمان یا مشرقی ملک میں رہنے والا کوئی عیسائی کہتا تو وہ زیادہ قابلِ فہم ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو حرام سے بچائے رکھنے کی استطاعت رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کا ماحول ابھی تک عورت کے ساتھ ہر وقت اور ہر آن مل جل کر رہنے کا نہیں ہے۔ اُس کی روایات اور اُس کے اخلاق اب تک اس کے جذبات و تصرفات پر غالب ہیں اور اُس کے دین کا اثر اب بھی اُس کے ملک میں برابر موجود ہے۔ جب کہ دوسری طرف تم مغربیوں کا حال یہ ہے کہ تم نے عورت کے ساتھ مل جل کر رہنے کا کوئی طریقہ بھی نظرانداز نہیں کیا ہے اور اُسے بہکانے کا کوئی ساحیلہ بھی باقی نہیں رکھ چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ تم لوگ اب دن رات کا کوئی بھی لمحہ عورت کے بغیر گزارنے کی پوزیشن ہی میں نہیں رہ گئے ہو۔ اور تم ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ لوگ ہو جن کا معاشرہ مے خانوں اور رقص گاہوں کی محفلوں کے شور و غل سے گونج رہا ہے۔ اور تمہاری سڑکیں حرامی بچوں سے بھری ہوئی ہیں۔ تو ایسی صورت میں کیا تم دعویٰ کر سکتے ہو کہ تمہارا دین تمہیں اپنی بیمار بیوی کے ساتھ خیانت سے روکتا ہے؟ یہ بات ایک ایسے معاشرہ میں کیسے ممکن ہے جہاں کہ (مریض بیویوں کی بات تو ایک طرف رہی) خود بھلی چنگی، خوبصورت اور نوجوان بیویوں کے ساتھ خیانت اور بد دیانتی کی خبروں سے اخبارات و رسائل کے کالم سیاہ رہتے ہیں اور ان واقعات سے عدالتیں بھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں؟

اینڈرسن: میں تو صرف اپنی بات کہہ رہا ہوں کہ میں اپنے نفس پر قابو پانے اور صبر کرنے پر قادر ہوں۔

مصطفیٰ سباعی: بہت خوب! سوال یہ ہے کہ آپ جیسے مسیحی اور مغربی لوگوں کا تناسب ــ جو اپنے نفس پر قابو رکھ سکتے ہیں ــ اُن لوگوں کے مقابلے میں جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتے کیا ہے؟

اینڈرسن: مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ (انھم قلیلون جداً)

مصطفیٰ سباعی: تو کیا آپ کی نظر میں قانون اُن لوگوں کی خاطر بنایا جا سکتا ہے جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہو؟ یا عوام اور زیادہ لوگوں کے لیے؟ اور ایسے قانون کا کیا فائدہ جس کا اطلاق ایک محدود طبقے ہی پر ہو سکے؟

اس پر اینڈرسن خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔[1]

مسیحیت کا غیر معقول رویّہ

اس مختصر سے مباحثے کے ذریعہ بڑی خوبی کے ساتھ ایک طرف اسلام کے جائز کردہ تعدد ازدواج کی ضرورت و اہمیت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف مسیحیت اور مسیحی دنیا کے ایک غیر فطری اور متضاد طرزِ عمل کی تصویر بھی سامنے آتی ہے۔ مگر مغربی طرزِ فکر

---

[1] المرأۃ بین الفقہ والقانون - از ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی۔ ص ۸۷-۸۸۔ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت۔ چھٹا ایڈیشن۔ ۱۴۰۴ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھنے والے لوگ بجائے اس کے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنے قانون میں موجود تقائص کو دور کرنے کی کوشش کریں، اُلٹے ایک معقول اور متوازن قانون کو غیر معقول قرار دینے کے درپے نظر آتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نکاح، طلاق اور تعدّد ازدواج یعنی کثیر زوجگی کے سلسلے میں مسیحی قانون کی بنیاد موجودہ اناجیل (GOSPELS) کے چند ناقص تصورات پر مبنی ہے، جن کو اصل قرار دے کر مسیحی دنیا نے تعدّد ازدواج کو ناجائز قرار دے دیا (مگر اس میں بھی کلیسا کا رویہ اور کردار مشکوک اور متضاد رہے) حالانکہ یہ بات شریعتِ موسوی یا عہد نامۂ قدیم (OLD TESTAMENT) کے بالکل خلاف ہے۔ کلیسا (چرچ) کے اس غیر معقول رویہ کے باعث موجودہ عیسائی اور مغربی دنیا فکر و عمل کے ایک ایسے عجیب و غریب تضاد میں مبتلا ہو گئی ہے جس کی مثال دین و شریعت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مگر اپنی کمزوریوں کو دور کر کے صحیح طرز فکر اور معقول رویہ اپنانے کے بجائے الٹے اسلامی شریعت جیسے کامل اور دائمی قانون پر طرح طرح کے بے سروپا اعتراضات الٹا چور کوتوال ڈانٹے کا مصداق ہے۔

اس مضمون میں تعدد ازدواج کے موضوع پر اسلام اور مسیحیت کے درمیان صحیح موازنہ پیش کرنے کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اصل ہندو قانون کا تعارف اور ہندوستان کی جدید قانون سازی کی بعض خامیوں کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ امید ہے اس سے اس موضوع سے متعلق بہت سے مغالطوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک ہوگا اور اسلامی شریعت کی برتری اور اس کی خوبیاں علمی اور سائنٹفک انداز میں سامنے آئیں گی۔

موجودہ ہولناک صورتِ حال

واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے ایک مرد کے لیے کبھی کبھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ ان مخصوص اسباب و حالات میں اگر اُسے اس کی اجازت نہ ملے تو پھر اُس کی فطرت بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے اور خلافِ قانون طریقے اختیار کرنے لگتی ہے۔ جیسا کہ موجودہ مغربی معاشرے میں اس کا کھلم کھلا اظہار ہو رہا ہے۔ چنانچہ آج جنسی انحرافات (SEXUAL DEVIATIONS) کے ایسے عجیب و غریب طریقے منظر عام پر آرہے ہیں جن پر دانشوروں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں کو سخت تشویش لاحق ہو گئی ہے اور اس سلسلے کے اعداد و شمار تشویشناک بلکہ ہولناک حد تک پہونچ چکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ مگر مسیحی دنیا اور خاص کر اُس کا مذہبی اختیار رکھنے والا ادارہ یعنی کلیسا (چرچ) اس سلسلے میں نہ صرف بے حس ہے بلکہ ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہے اور اس خطرناک بے راہ روی کا صحیح علاج کرنے کے بجائے اپنے غیر معقول طرزِ عمل اور ضد پر اڑا ہوا ہے۔ مسیحی دنیا کی اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نوعِ انسانی نہ صرف جنسی بے راہ رویوں میں مبتلا ہو کر اپنی تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے کر رہی ہے اور ایک صحیح اور معقول علاج کو محض اندھے تعصب کی بنا پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

بعد از خرابیٔ بسیار اب کچھ عرصے سے خود مغربی مفکرین اور دانشوروں کے ایک معتدبہ طبقے کو اپنے اس رویہ کی کمزوریوں اور خامیوں کا احساس ہو رہا ہے وہ مسیحیت اور کلیسا کے غلط رجحان کو ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں اور اس کی کوتاہیوں کا اظہار برملا کر رہے ہیں۔ اس طرح مختلف حلقوں سے اصلاح کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا اب آہستہ آہستہ دینِ فطرت کی طرف بڑھ رہی ہے اور اسلامی شریعت کی ضرورت و اہمیت نہایت درجہ شدت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی ہے۔ اس سے اسلامی قانون کی برتری اور اس کی ابدیت و عالمگیری کے ناقابلِ تردید دلائل ہمارے سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مختلف مذاہب اور قوانین کا ایک جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصیت کے ساتھ عیسائیت کی کوتاہیوں کو منظرِ عام پر لانا بھی ضروری ہے، جن کی بنا پر عالمِ انسانی انحراف اور جنسی بے راہ روی کے راستے پر چل پڑا اور عصرِ جدید میں فسق و فجور کا جو سیلاب آیا ہوا ہے وہ اسی جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے جو مسیحیت اور کلیسا کا پیدا کردہ ہے۔

انبیائے سابقین اور کثرتِ ازدواج

آج کثیر زوجگی (POLYGAMY) پر سب سے زیادہ اعتراض عیسائیوں اور ان کے توسط سے مغرب پرستوں اور جدید تعلیم یافتہ ہندوؤں کو ہے۔ مگر دینی و شرعی اعتبار سے عیسائیوں اور ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں کثیر زوجگی کا جواز اور ثبوت ملتا ہے۔ مگر عیسائی لوگ اس سلسلے میں اسلام پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں گویا کہ اُس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثیر زوجگی کو جائز قرار دے کر کسی بہت بڑی بدعت یا جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ مگر وہ اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بلکہ اس سے بھی پہلے اس کا عام رواج تھا اور یہودی شریعت عیسائی قانون کی اصل بنیاد ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مُسلّم ہے۔ یہ تینوں آپ کو اپنا روحانی پیشوا اور ابوالانبیاء مانتے ہیں۔ کیونکہ ان تینوں کا سلسلہ آپ ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی دو بیگمات تھیں: حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ۔ پہلی بیوی کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے جن سے بنی اسرائیلؑ کی نسل چلی اور دوسری بیوی سے حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی، جو عربوں کے جدامجد کہلائے۔

اسی طرح حضرت یعقوبؑ کی دو بیویاں اور دو حرمیں تھیں۔[1] حضرت اسحاقؑ کے بڑے لڑکے عیسو کی کئی بیویاں تھیں۔[2] حضرت داؤد کی متعدد بیگمات تھیں[3] اور مشہور یہ ہے کہ اُن کی تعداد ایک سو تھی۔ حضرت سلیمان کی سات سو بیگمات اور تین سو حرمیں تھیں۔[4] اور آپ کے بڑے بیٹے رحبعام کی ۱۸ بیویاں اور ۶۰ حرمیں تھیں۔[5]

مسیحیت میں ازدواجی زندگی بجائے خود ناپسند

بائبل کے عہد نامۂ قدیم (OLD TESTAMENT) میں اس طرح کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں۔ بقول نیوفیلڈ (NEUFELD) تورات اور تلمود کی رُو سے کثیر زوجگی کی مطلق اجازت ہے۔[6]

اس طرح تورات اور ماقبل تورات شرائع کے مطابق کثیر زوجگی جب مطلق طور پر ثابت ہے تو پھر اسلام پر اعتراض کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اب رہا مسیحیت (CHRISTIANITY) کا معاملہ تو اس میں کثرت ازدواج تو بہت دور کی چیز ہے، خود یک زوجگی (MONOGAMY)

---

[1] دیکھئے بائبل کی کتاب پیدائش، باب ۲۹ اور ۳۰ [2] کتاب پیدائش ۲۸ : ۹
[3] ۲۔ سموئیل ۵ : ۱۳ [4] ۱۔ سلاطین ۱۱ : ۳ [5] ۲۔ تواریخ ۱۱ : ۲۱
[6] دیکھئے موصوف کی کتاب: ANCIENT MARRIAGE LAWS، منقول از المرأة فی الاسلام، از عباس محمود عقاد، ص ۷۳، مطبوعہ بیروت، ۱۹۸۱ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ناپسندیدہ چیز ہے، جو سخت مجبوری اور گناہ سے بچنے ہی کے لیے جائز قرار دی گئی ہے۔ جیسا کہ سینٹ پال (جو خود بھی ایک غیر شادی شدہ فرد تھا) کی اس تاکید سے ظاہر ہوتا ہے:

St. Paul, himself a bachelor, recommended marriage only as prevention of sin.[9]

ازدواجی زندگی روحانیت کی نفی

بلکہ سینٹ آگسٹائن کی پانچویں صدی کی تحریروں میں تو "روح اور گوشت" کے درمیان جنگ کا اظہار نہایت درجہ شدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اُس کے نزدیک جنسی عمل (SEX) بنیادی طور پر گناہ آلود ہے، جو صرف تولیدی عمل کی غرض سے قابلِ معافی ہو سکتا ہے۔ اُس کا یقین تھا کہ جنسی عمل ایک حیوانی شہوت ہونے کے لحاظ سے روحانیت کی نفی کرتا ہے۔ اس لیے اس قسم کے معیاروں کو ترقی پاتے اور ان کی انجام دہی سے جوڑوں (عورتوں اور مردوں) کی ہمت شکنی کرنی ہے۔ چنانچہ سینٹ آگسٹائن کی ازدواجی زندگی کی مذمت کا یہ نظریہ عیسائی دنیا پر ایک ہزار سال تک چھایا رہا:

The conflict between spirit and flesh was most powerfully expressed in the writings of St. Augustine in the fifth century. He saw sex as basically sinful, excusable only for purposes of procreation. He believed that the sex act, as an act of animal lust, was despiritualizing and that norms had to be developed to discourage couples from performing it. Augustine's theology of marriage and family life dominated Church thinking for over a thousand years.[10]

کیا عورت بدی کی جڑ ہے؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت آدم و حوا علیہما السلام

سلہ۹ Melvin L. Defluer, Sociology: Human Society, Second Edition, P. 445, Illinois (USA), 1976.

سلہ۱۰ Melvin L. Defleur, Sociology: Human Society, Second Edition, P. 445, Illinois (USA), 1976.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وہ خطا جس کے باعث انھیں جنت سے نکالا گیا، وہ حوا کی تحریک سے ہوئی تھی۔اس وجہ سے ہر عورت کا کردار بنیادی طور پر داغدار رہے:

.... because Women carry "the stain of Eve".[11]

اس طرح دنیا کی ہر عورت اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے گنہگار اور بدی کی جڑ تصور کی گئی اور اس سے دور رہنے کی تعلیم کے نتیجے میں کمل تجرد، درویش اور رہبانیت کی ہمت افزائی کی گئی، جس نے ایک فلسفے اور تحریک کی شکل اختیار کر لی۔عورت کو کمتر سمجھنے اور اُس سے چھوت چھات برتنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت میں مرد اور عورت کے درمیان صحیح روابط اور صحیح حدود قائم کرنے کا کوئی تصور ہی نہ رہا۔بلکہ یہ سب چیزیں غیر ضروری اور روحانیت کے منافی تصور کر کے نظر انداز کر دی گئیں۔اس کا راست نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جنسوں کی حقیقت ہی پوری طرح مشتبہ ہو گئی۔جب کہ واقعہ کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔لہٰذا روحانیت یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی عورت سے پرہیز کرتے ہوئے کسی جنگل یا بیابان میں جا کر بیٹھ جائے۔اس طرزِ عمل سے تمدن انسانی کی گاڑی ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسلام کی نظر میں عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد جو بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اُنس ومحبت اور غمخواری کے لیے پیدا کی گئی ہے۔جس کی وجہ سے طبیعت میں فرحت و انبساط کے ساتھ ساتھ روحانی اقدار کو بلند کرنے میں بھی مدد ملتی ہے اور اس کی وجہ سے مادیت و روحانیت کے درمیان ایک توازن قائم رہتا ہے اسی بنا پر صنفِ نازک کو حسن اور خوبصورتی عطا کی گئی ہے تاکہ مرد اس کی طرف مائل ہو۔دیکھئے قرآن مجید میں اس حقیقت پر کتنے انوکھے اور حقیقت افروز انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً

(روم: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ اُس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں تاکہ تم اُن سے سکون حاصل کر سکو اور اُس نے تمہارے درمیان آپسی محبت اور مہربانی بھی رکھ دی تاکہ تم اپنی زندگی خوش گوار بنا سکو۔

11. Encyclopaedia Britannica, Vol. 4, P. 523, 1983.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آیت کریمہ ضمناً اُن تمام غلط تصورات کی بھی تردید کرتی ہے جو عورت کے بارے میں کلیسا اور مسیحی دنیا میں مروج رہے ہیں۔ اور ثابت کر رہی ہے کہ انسان ہونے کی حیثیت سے عورت کا مقام مرد ہی کے برابر ہے، جیسا کہ اس موقع پر "من انفسکم" کے الفاظ وضاحت کر رہے ہیں۔ یعنی جس طرح مرد نوع انسانی کے افراد ہیں اسی طرح عورتیں بھی نوع انسانی ہی کے افراد ہیں۔ اور جس طرح مردوں میں روح انسانی کارفرما ہے اسی طرح عورتوں میں بھی یہی روح کام کر رہی ہے، جس کا مسیحی دنیا کو انکار رہا ہے۔

عیسائی نظام میں دو متضاد رجحانات

اصل بات یہ ہے کہ مسیحیت میں ایسی کوئی جامع شخصیت نہیں گزری جو عوام کے لیے دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے ایک مثالی نمونہ یا ماڈل بن سکتی ہو۔ بلکہ اس میں زیادہ تر دنیاداری کو خیرباد کہتے ہوئے زہد و رہبانیت کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی تھی اور سینٹ پال نے بھی تجرد کی زندگی گزاری۔ ان ہی دونوں کو اس باب میں عموماً ایک نمونہ مانا گیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کی زاہدانہ زندگی انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتی۔ اسی وجہ سے خود عیسائی دُنیا اس پر کبھی کاربند نہ رہ سکی۔ بلکہ اُس میں دنیاداری یا ازدواجی زندگی کا رجحان برابر موجود رہا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق عیسائیت کے عائلی نظام (ازدواج، خاندان اور جنس) میں یہ دو مختلف اور متضاد بنیادی رجحانات ہمیشہ ہی باہم دست و گریباں نظر آتے ہیں:

> Two basic tendencies, which are in constant tension with one another, can be observed in the Christian understanding of marriage, family, and sex : (1) the tendency to spiritualize and individualize the marriage relationship between man and wife in the light of the Gospel and to realize the basic demands of Christian ethics in marriage and family; and (2) an ascetic tendency that interprets marriage and family as orders of the old world, which have basically been overcome already and have no room in the new eon.[12]

12. Encyclopaedia Britannica, Vol. 4, P. 522, 1983.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"دو بنیادی رجحانات کو، جو ایک دوسرے سے مسلسل متصادم ہیں، شادی خاندان اور جنس کے مسیحی طرزِ فکر میں دیکھا جا سکتا ہے: (۱) وہ رجحان جو مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلق کو انجیل کی روشنی میں شخصی اور روحانی بنا سکے اور جو کہ شادی اور خاندان سے متعلق مسیحی اخلاقیات کے بنیادی تقاضوں کو پورا کر سکے۔ (۲) وہ راہبانہ رجحان جو شادی اور خاندان کو پرانی دنیا کے ان اقدار سے تعبیر کرتا ہے جو مغلوب کیے جا چکے ہیں اور اب نئے جگ میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔"

اس اعتبار سے ایک خوبصورت قسم کا راہبانہ فلسفہ جس میں نہ صرف تعددِ ازدواج بلکہ بجائے خود ازدواجی زندگی کی مذمت کی گئی ہو، فکری اعتبار سے تو بڑا "خوش کن" نظر آ سکتا ہے مگر واقعات اور عمل کی دنیا میں وہ ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ اس اعتبار سے مسیحیت انسانی زندگی کے لیے کوئی آئیڈیل فلسفہ اور اس کی فطرت سے مطابقت رکھنے والا کوئی موزوں ضابطۂ حیات نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر مسیحیت سارے جہان کے لیے کسی متوازن شریعت کی حامل دکھائی نہیں دیتی۔

حاصل یہ کہ مسیحی طرزِ فکر انسانی فطرت اور اُس کی نفسیات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا انسانی فطرت سے اعراض کا وہی نتیجہ نکلنا چاہیئے تھا جو آج ہمارے سامنے مختلف قسم کے جنسی انحرافات (SEXUL DEVIATIONS) کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ تورات عیسائیوں کے لیے بھی شریعت کا درجہ رکھتی ہے (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) جس میں تعدّدِ ازدواج مطلق طور پر جائز ہے۔ لہٰذا عیسائیوں کے لیے یہودی شریعت کا اتباع شرعاً واجب ہے (اس کا اعتراف خود ان کو بھی ہے) مگر انھوں نے اس معاملہ میں تورات کی شریعت اور اگلے پیغمبروں کی سنت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسلامی شریعت بھی یہودی شریعت ہی کی طرح تعدادِ ازدواج کو جائز قرار دیتی ہے۔ اس طرح یہ قانون مؤکّد طور پر قابلِ حجت بن جاتا ہے۔ اس طرح عیسائیوں کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت کوئی نئی شریعت نہیں ہے، جس نے تعدادِ ازدواج کی اجازت دنیا میں پہلی بار دی ہو۔ لہٰذا تعدّدِ ازدواج کو "شہوت پرستی" کا مظہر قرار دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ خود اُن کے اپنے پیغمبر بھی (جن کو وہ آئیڈیل کردار والے اور جلیل القدر سردار مانتے ہیں) شہوت پرست تھے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ اگلی بحث سے ظاہر ہوگا خود ہندومت کے اصل قانون کی رُو سے بھی تعددِ ازدواج جائز تھا اور ہندو مذہب میں آج بھی اس کا رواج مسلمانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح دنیا کے تین مذاہب (اور اس وقت بحث انہی میں ہے) تعدد ازدواج کے جواز پر متفق ہیں۔

ہندومت اور تعدّد ازدواج

یہ مسیحی دنیا کے شور وشغب اور مغربیت کے پروپیگنڈے ہی کا اثر ہے کہ مشرقی ممالک کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اپنے مغربی استادوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسلام کے تعدّد تعدد ازدواج پر سخت اعتراض کرتا ہے۔ خصوصاً ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ جو اپنے آپ کو "ترقی پسند" اور "دانشور" کہتا ہے وہ اس کو عورتوں پر ایک ظلم اور سماجی ناانصافی قرار دیتا ہے۔ جہاں تک اس مسئلے کی سماجی ناانصافی کا تعلق ہے اس پر بحث تو آگے آئے گی اور جہاں تک اس کی مشروعیت یا اجازت کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندو دھرم میں زمانۂ قدیم سے نہ صرف اس کی اجازت رہی ہے، بلکہ آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی بہ نسبت غیر مسلموں میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج و رُجحان زیادہ ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا الزام دھرنا ایک سیاسی پروپیگنڈے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان کو بیک وقت چار تک بیویاں رکھنے کی شرعی اجازت کے باوجود وہ عملاً یک زوجگی کے پابند ہیں اور اس سلسلے میں نزاع جو کچھ بھی ہے وہ محض نظریاتی ہے۔ اور مخالفین اسلام چاہتے ہیں کہ نظریاتی اعتبار سے مسلمانوں کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی جو آزادی حاصل ہے وہ قانونی طور پر سلب کر لی جائے۔ تاکہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کسی بھی صورت میں نہ کر سکیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ حرکت مسلمانوں کے مذہب میں صریح مداخلت ہے، جو اُن کی مذہبی آزادی کے حق کو تسلیم کرنے کے خلاف ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں ہم پہلے قدیم ہندو قانون سے چند نظریاتی حقائق اور کچھ عملی شہادتیں پیش کریں گے اس کے بعد جدید ہندوستانی معاشرے سے تعدد ازدواج سے متعلق کچھ تازہ ترین اعداد وشمار سامنے رکھیں گے۔ ان سے یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو جائے گی کہ آج کے جدید ہندوستان میں ایک سے زیادہ شادیوں کا تناسب ہندو سماج میں زیادہ ہے یا مسلمانوں کے معاشرہ میں۔

ڈاکٹر الٹیکر (A.S. ALTEKAR) کے مطابق ہندو معاشرے میں اگرچہ یک زوجگی

© rasailojaraid.com

(MONOGAMY) غالب تھی اور ویدک دیوتاؤں میں بھی یک زوجگی پائی جاتی تھی۔ تاہم کثیر زوجگی (POLYGAMY) کا رواج اکثر معاشرے کے مالدار اور حاکم طبقات میں زیادہ تھا:

> It is true that monogamy normally prevailed in Hindu society. The Vedic gods also are monogamous. In practice, however, polygamy often prevailed in the rich and ruling sections of society.[13]

یہی مصنف مزید تحریر کرتا ہے کہ ویدک لٹریچر میں کثیر زوجگی کے حوالے قطعی طور پر زیادہ ہیں:

> References to polygamy are fairly numerous in the Vedic literature.[14]

چنانچہ مصنف نے اس کی دو چار مثالیں اس طرح پیش کی ہیں:

(۱) (ہندوؤں میں) تاج پوشی کی رسم کی ادائیگی کے لیے بادشاہ کا پہلے سے چار بیویوں والا ہونا ضروری تصور کیا جاتا تھا، اگرچہ عملاً اس سے زیادہ تعداد بھی رہی ہو۔

(۲) پدر منو (FATHER MANU) کی دس بیویاں مانی جاتی ہیں۔

(۳) آئٹاریا برہمن (AITARIA BRHMANA) کے راجہ ہریش چندرا کی ایک سو بیویاں تھیں[15]

(۴) ہندو دھرم کے لوگ رام چندر جی کو اپنا بھگوان مانتے ہیں چنانچہ ان کے پتا راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں، جیسا کہ آج کل ہندوستان کی ٹی وی سیریل "رامائن" میں دکھایا جا رہا ہے۔

غرض ڈاکٹر التیکر نے سنسکرت کے مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ مؤخر ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ کثیر زوجگی کا رواج معاشرے کے کچھ طبقات میں پوری طرح موجود تھا۔ نیز موصوف کی تصریح کے مطابق بہت سے ابتدائی معاشروں میں بیویاں خود اپنے شوہروں سے تقاضا کرتی تھیں کہ وہ مزید شادیاں کر کے ان کی تعداد بڑھائے، تا کہ اُن کے گھریلو

---

13. Altekar, Dr. A.S., The Position of Women in Hindu Civilization, P.104, Delhi, 1983.

۱۴؎ حوالۂ مذکور ۱۵؎ ایضاً۔ ۱۶؎ صفحہ ۱۰۵

© rasailojaraid.com

کام اور مشقت میں تخفیف ہو۔ جب کہ شادی کا سب سے بڑا مقصد عورت کے لیے اپنے شوہر کا کام کرنا ہوتا تھا لہٰذا وہ چاہتی تھی کہ اس کام میں دوسری عورتیں بھی اس کی شریک ہو جائیں۔[۱۶]

یہی مصنف "کاما سوترا" کے حوالے سے مزید لکھتا ہے کہ ہندو مذہب میں شادی کے ذریعہ نرینہ اولاد (لڑکے) کا حصول غیر مشروط طور پر ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ پہلی بیوی بانجھ ہونے کی صورت میں اُسے دوسری شادی کی اجازت حاصل تھی۔ بلکہ بعض تحریروں کے مطابق ایک بیوی کا یہ فرض تھا کہ وہ بانجھ ہونے کی صورت میں خود ہی اپنے شوہر کو دوسری شادی کے لیے مجبور کرے۔

> .... a son was absolutely necessary, and so society permitted the husband to take a second wife, if the first one was barren. Nay, we find some writers laying down that it was the duty of the wife to urge her husband to contract a second marriage, if she had failed to present a son to him[17]

مشہور محقق و سائنس داں البوریحان البیرونی (متوفی ۱۰۴۸ء) جس نے سالہا سال تک ہندوستان میں مقیم ہو کر سنسکرت زبان سیکھی، پھر یہاں کے علوم و فنون اور رسم و رواج کا گہرائی کے ساتھ مشاہدہ کر کے ایک مستند ترین کتاب عربی زبان میں لکھی، جو کتاب الہند کے نام سے مشہور ہے۔ (اصل نام "کتاب البیرونی فی تحقیق ماللہند" ہے) اس میں موصوف نے تعدد ازدواج کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اُصولی طور پر اسلامی قانون کے عین مطابق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "(یہاں پر) مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں چار تک کرے اور چار سے زیادہ کرنا اُس کے لیے حرام ہے۔ ہاں اگر اُن میں سے کوئی ایک مرجائے تو اس صورت میں وہ چار کا عدد پورا کر سکتا ہے۔ اب رہا عورت کا معاملہ تو شوہر کے مر جانے کی صورت میں اُس کے لیے نکاح ثانی کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں اُس کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے: یا تو وہ زندگی بھر بیوگی کی حالت میں رہے یا اپنے آپ کو جلالے

۱۶؎ حوالۂ مذکور ۱۷؎ ایضاً صـ ۱۰۵-۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ستی ہو جائے)۔ اور یہ دوسری صورت اُس کے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ باقی عمر عذاب کی حالت میں رہے گی۔[۱۸]

وہ مزید تحریر کرتا ہے کہ "اہل ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ برہمن کے لیے چار، چھتری (کشتر) کے لیے تین، ولش کے لیے دو اور شودر کے لیے ایک بیوی ہوگی اور ان چار طبقوں میں سے ہر ایک طبقے کے لیے جائز ہے کہ وہ شادی یا تو اپنے طبقے میں کرے یا اپنے سے نچلے طبقے میں۔ مگر اُس کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے سے اوپر کے طبقے میں شادی کرے۔ نیز ایک طبقے کی دوسرے طبقے سے شادی کی صورت میں بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی برہمن مرد برہمن عورت سے شادی کرے تو اس کا بچہ بھی برہمن ہوگا۔ لیکن اگر کوئی برہمن شودر عورت سے نکاح کرے تو اس صورت میں بچہ شودر ہوگا۔[۱۹]

اس اعتبار سے یہ ایک دلچسپ قانون ہے جو طبقاتی فرق و امتیاز کی وجہ سے انسانی مساوات کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر لیبان تحریر کرتا ہے کہ ہندو مذہب میں تعدّد ازدواج جائز تھا۔ (اور یہ) رسم زیادہ تر خوش حال لوگوں میں ہے اور نیچے کے طبقات میں عموماً ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔[۲۰]

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ہندو شریعت میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ بلکہ معیار زیادہ تر چار بیویوں کا تھا، جو اسلامی شریعت سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور بعض قوانین میں غیر معیّن حد کا جواز یہودی شریعت سے مشابہت رکھتا ہے۔ مگر اس باب میں اسلامی شریعت کی خصوصیت اور اُس کا اصلاحی اقدام یہ ہے کہ وہ اس تعداد کو سختی کے ساتھ صرف چار تک محدود کرتی ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں چند زوجگی کا تناسب

یہ تھا قدیم ہندو مذہب و معاشرے کا ایک مختصر حال۔ اب جدید معاشرے کی طرف

---

۱۸ کتاب الہند، البیرونی، ص ۴۶۹ ــ ۴۷۰، مطبوعہ حیدر آباد، ۱۳۷۷ھ

۱۹ مرجع سابق، ص ۴۷۰ ۲۰ تمدن ہند، مترجمہ سید علی بلگرامی، ص ۴۷۱، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۶

© rasailojaraid.com

آیئے تو اس میں آج بھی ہمیں تعدد ازدواج کا رواج مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۱ء کے ایک سروے کے مطابق مسلمانوں میں بیک وقت دو شادیوں (BIGAMY) کا رواج ۴٫۳ فی صد ہے، جب کہ ہندوؤں میں ۵٫۶ ہے۔ بدھ مذہب والوں میں ۸ فی صد ہے اور قبائلی لوگوں میں سب سے زیادہ یعنی ۱۵ فی صد ہے[۲۱]

رجسٹرار جنرل آف انڈیا کی رپورٹ ۱۹۶۱ء کے مطابق جینیوں میں یہ تناسب ۹ فی صد ہے۔

ٹمل ناڈو کے ایک سروے کے مطابق تقریباً یہی اعداد و شمار ظاہر ہوتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ تناسب چار فی صد اور ہندوؤں میں ساڑھے پانچ فی صد ہے[۲۲]

نیز حکومت ہند کی منسٹری آف ایجوکیشن اینڈ سوشل ویلفیر کی ماتحت کمیٹی کی وہ رپورٹ جو اس نے ۱۹۷۴ء میں ہندوستان میں عورتوں کی حالت سے متعلق پیش کی تھی، اس کی رُو سے ہندوستان میں دو زوجگی کا تناسب مختلف اوقات میں اس طرح تھا۔

	۱۹۳۰ — ۱۹۴۰ء فی صد	۱۹۴۱ — ۱۹۵۰ء فی صد	۱۹۵۱ — ۱۹۶۰ء فی صد
۱۔ قبائلی	۹،۵۳	۱۷،۵۳	۱۷،۹۸
۲۔ ہندو	۶،۷۹	۷،۱۵	۵،۰۶
۳۔ مسلمان	۷،۲۹	۷،۰۶	۴،۳۱[۲۳]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں دو زوجگی کا رجحان برابر گھٹ رہا ہے، جو ۱۹۴۰ء کے دہے میں موجود سات فی صد سے گھٹ کر ۱۹۶۰ء کے دہے میں چار فی صد ہو گیا ہے۔ اس طرح کی متعدد رپورٹوں سے مسلمانوں کے خلاف کئے جانے والے غلط پروپیگنڈے کا پول پوری طرح کھل جاتا ہے کہ حقیقت اور افواہوں میں کتنا بڑا فرق ہے!

تعدد ازدواج مسلم ممالک میں

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق ایک مشہور ماہر انسانیات (ANTHROPOLOGIST)

[۲۱] روزنامہ دکن ہیرالڈ بنگلور، مورخہ ۲۴/۴/۱۹۸۴ء

[۲۲] روزنامہ اسٹیٹسمین، کلکتہ، ۲۸/۹/۸۴ ۱۹ء، بحوالہ نئی دنیا ۱۱/۲/۸۶ء

[۲۳] ہفت روزہ ریڈینس دہلی، مورخہ ۲۴/۱۱/۱۹۸۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جارج مرڈاک کی درجہ بندی کی رو سے ۲۵۰ کلچروں یا معاشروں میں سے ۱۹۳ میں چند زوجگی یعنی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج پایا گیا ہے[۲۴]

نیز ایک دوسرے حوالے میں مذکورۂ بالا ماہر (MURDOCK) ہی کی ایک اور رپورٹ (۱۹۴۹ء) کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں کثیر زوجگی کا رواج پایا جاتا ہے:

> In his comparison of types of marriage in a world wide sample of 554 societies, Murdock (1949) found polygamy in 415 and polygamy in only 4.[25]

اس موقع پر غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مسلم ملکوں میں چند زوجگی کا رواج زیادہ پایا جاتا ہوگا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر مسلم ملکوں میں چند زوجگی کی بہ نسبت یک زوجگی کا رجحان ہی زیادہ غالب نظر آتا ہے۔ چنانچہ برٹانیکا کے مذکورۂ بالا بیان کے معاً بعد حسب ذیل صراحت موجود ہے:

> It is doubtful, however, whether such Islamic countries as Algeria, Tunisia, Egypt, and Pakistan should today be classified as polygynous; public opinion there seems now to favour monogamy.[26]

نیز اسی انسائیکلوپیڈیا کے مضمون نگاروں کو اس سلسلے میں مزید اعتراف ہے کہ اسلامی شریعت میں تعدد ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کے باوجود اسلامی معاشرے میں ہمیشہ زیادہ تر یک زوجگی ہی کا رواج رہا ہے:

> .... the normal practice in Islamic society has always been that of monogamy.[27]

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے تحریر کیا ہے کہ عرب ممالک کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ

۲۴؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۷/۱۵۵، ایڈیشن ۱۹۸۳ء

25. Dyer, Everett D., Courtship, Marriage, and Family, P. 20, Home wood, Illinois (USA), 1983.

26. Encyclopaedia Britannica, Vol. 7, P. 155, 1983.

27. Ibid., Vol. 9, P. 920.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک سے زیادہ شادی کرنے والوں کا تناسب بہت ہی کم ہے جو فی ہزار ایک بھی نہیں ہے۔

(فالاحصاءات التی تنشر عن الزواج والطلاق فی البلاد العربیة الاسلامیة تدل علی أن نسبة المتزوجین باکثر من واحدة نسبة ضیلة جداً الاتکاد تبلغ الواحد بالألف)[۲۸]

یہ ہے مسلمانوں کی "شہوت پرستی" اور اُن کے چار چار شادیاں کرنے کا افسانہ، جس کے باعث عوام کے سامنے اُن کی ایک ایسی مہیب اور خیالی تصویر پیش کی جاتی ہے جس کا واقعات کی دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے۔

جدید ہندو قانون کے نقائص

جیسا کہ عرض کیا جا چکا قدیم دور میں اہل ہند میں تعدّدِ ازدواج کا جواز اور رواج تھا اور یہ رواج ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ تک برابر باقی رہا۔ مگر ۱۹۵۵ء کے ایکٹ کے ذریعہ ہندو مرد اور عورت دونوں کے لیے بیک وقت ایک سے زیادہ شادی کرنا قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے مطابق ضروری ہے کہ شادی کے وقت فریقین میں سے کسی ایک کے بھی میاں یا بیوی زندہ موجود نہ ہوں ورنہ دوسری شادی نہ صرف باطل تصور کی جائے گی، بلکہ یہ اقدام ہندو مرد اور عورت دونوں کے لیے قابل تعزیر جرم قرار پائے گا۔[۲۹]

اس طرح تعدّد ازدواج کے جواز کا وہ قانون جو ہزاروں سال سے ہندوستان میں جاری اور رائج تھا، ۱۹۵۵ء کے ایکٹ کے ذریعہ ہندوؤں کے لیے یکلخت منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن اس قانون کی منظوری کے بعد مختلف حلقوں میں اس کی مخالفت میں آوازیں بلند ہوئیں اور راؤ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس بات کا خدشہ ظاہر کیا گیا کہ تعدد ازدواج پر پابندی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ناجائز تعلقات میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ اقدام تبدیلیٔ مذہب کا بھی ایک محرّک بن سکتا ہے۔ جیسا کہ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

The arguments of the opponents were that monogamy would lead to increased concubinage and conversion

---

۲۸ المراة بین الفقه والقانون، ڈاکٹر مصطفیٰ اسباعی، ص ۱۱۱، بیروت، ۱۹۸۴ء

۲۹ ماڈرن ہندو لاء، ص ۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

to Islam which permits four wives. They were of the view that "if a man is healthy and wealthy he should be allowed to marry again" and "why should he be deprived of a right which has been enjoyed by him for three thousand years?"[30]

(ترجمہ) مخالفین کا استدلال یہ ہے کہ یک زوجگی ناجائز تعلقات میں اضافے اور اسلام کے اختیار کرنے کا باعث بن سکتی ہے، جو چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ایک آدمی صحت مند اور مالدار ہے تو اُسے دوبارہ (دوسری) شادی کرنے کی اجازت ملنی چاہئے اور اُسے اس حق سے کیوں کر محروم رکھا جاسکتا ہے جس کا فائدہ وہ تین ہزار سال سے اُٹھا رہا ہے؟

اور یہ محض ایک خدشہ ہی نہیں بلکہ بعد میں رونما ہونے والے واقعات کے باعث ایک حقیقت ثابت ہوا۔ چنانچہ اس قسم کی متعدد رپورٹیں موجود ہیں کہ اس پابندی کی بنا پر بہت سے لوگوں نے تعدد ازدواج کا فائدہ اٹھانے کے لیے مذہب اسلام میں پناہ لی۔ چونکہ ملک کے قانون کے مطابق تبدیلیٔ مذہب پر نہ تو کوئی پابندی ہے اور نہ اس کے اسباب و محرکات ہی کی چھان بین کا کوئی ذریعہ ہے۔ بلکہ اس قسم کی چھان بین کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

When the laws of the country do not prohibit its people to freely renounce their religion and embrace another, the question of motive behind the conversion becomes irrelevant.[31]

غرض ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کی دفعہ ۱۷ کا اطلاق، جس کی رو سے دو زوجگی (BIGAMY) یعنی بیک وقت دو بیویاں رکھنا، دو ہندوؤں تک محدود ہے، جنھوں نے باضابطہ طور پر (ہندو قانون کے پورے رسم و رواج کے مطابق) شادی کی ہو اور اس شادی کے وقت زوجین میں سے کسی کا شوہر یا بیوی پہلے سے موجود ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس دفعہ کا اطلاق اُس زوج (شوہر یا بیوی) پر نہیں ہوتا جس نے اسلام قبول کر لیا ہو۔

---

30. Bagga, V. (Ed), Studies in the Hindu Marriage and the Special Marriage Acts, P. 261, Bombay, 1978.

31. Ibid., P. 282.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> The application of Section 17 of the 1955 Act (Hindu Marriage Act) which provides for punishment of bigamy is limited to two Hindus solemnizing marriage if at the date of such marriage either party had a husband or wife living. Consequently, this section shall not apply to a spouse converted to Muslim religion.[32]

اس دفعہ میں ایک قانونی نقص یہ ہے کہ اس میں ایک ہندو کی دوسری شادی کے لیے "باضابطہ" ہونے کی قید لگی ہوئی ہے اور اس سے مراد وہ شادی ہے جو ہندو دھرم کے مطابق پورے رسم ورواج کے ساتھ ادا ہوئی ہو جس کے لیے اس موقع پر SOLEMNIZE کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہندو مذہب کے مطابق ایسی چند خاص رسمیں[۳۳] ہیں، کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو وہ باضابطہ شادی نہیں کہلاتی۔ لہٰذا دوسری شادی کرنے والے میاں یا بیوی[۳۴] سزا کے مستحق صرف اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ دوسری شادی پورے رسم ورواج کے ساتھ ہوئی تھی۔

> Before a person can be found punishable under this section (Section 17) it is necessary to determine the fact whether there had been a subsequent marriage of a spouse during the lifetime of the other spouse. From that point it has to be determined whether the prior marriage was duly solemnized. In case where either of the two marriages is found to be not duly solemnized the position is that in the eye of the law there is only one legal and valid marriage making the charge of bigamy unsustainable. The word "solemnize" means to celebrate the marriage with

---

32. Bagga, V. (Ed), Studies in The Hindu Marriage and the Special Marriage Acts, P. 241, Bombay, 1978.

۳۳۔ ان رسوم کی تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر پارس دیوان کی کتاب "ماڈرن ہندو لا" صفحہ ۸۰ مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۸۲ء

۳۴۔ پہلے ہندو معاشرے میں قانونًا تو نہیں بلکہ رواجی طور پر عورت بھی متعدد شوہروں والی ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا کثیر زوجگی (POLYGAMY) کے ساتھ ساتھ کثیر شوہری (POLYANDRY) کو بھی روکنے کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

proper ceremonies and in due form. It follows therefore that unless the marriage is celebrated or performed with proper ceremonies and in due form it cannot be said to be solemnized.[35]

اس اعتبار سے اگر ایک شادی "باضابطہ" اور دوسری "بے ضابطہ" ہو جائے تو اسی صورت میں قانون کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس سلسلے میں زوجین کا مجرّد اقبال بھی انھیں قانون کی گرفت میں نہیں لاسکتا کہ انھوں نے دوسری شادی کرلی ہے۔ اس طرح ایک ہندو کے لیے اب دوسری شادی پر قانوناً پابندی عائد ہونے کے باوجود اُسے پوری پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ اس قانونی نقص کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا تو حیلہ سازی اختیار کرے، یعنی کسی ضروری رسم کو ادا نہ کرے یا پھر وہ اسلام کی آغوش میں پناہ لے۔ اس طرح یہ دو دروازے ہر ہندو کے لیے پوری طرح کھلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب اُسے قانون کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس معاملے میں بالکل بے اثر بن کر رہ گیا ہے۔

یکساں سول کوڈ کا ایک پس منظر

اصل میں یہ ہندو قانون کا اتنا بڑا نقص ہے کہ وہ اس کی بنا پر آج صحیح معنی میں ایک دوراہے پر کھڑا ہوا ہے اور ہندو قانون دان حیران ہیں کہ اس نقص یا کمزوری کو کیسے دور کیا جائے؟ ایک طرف وہ مغرب کی پیروی میں تعدّدِ ازدواج پر پابندی بھی لگانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اپنے مذہب و قانون کے نقائص بھی دور کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جیسے جیسے وہ "اصلاح" کی طرف بڑھ رہے ہیں ویسے ویسے وہ مزید مشکلات سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ اب قانون دانوں کا ذہن ماؤف ہو چکا ہے اور عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ لہٰذا اب ان کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان میں یکساں (یونیفارم) سول کوڈ نافذ کرکے "جھگڑا" ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ماہرین قانون حکومت کو جو مشورہ دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ان نقائص کو دور کرنے کے لیے فوراً یکساں مدنی قانون (یونیفارم سول کوڈ) پورے ملک میں نافذ کر دے، تاکہ اس باب میں ہندو، مسلمان، عیسائی اور پارسی

---

35. Desai, Kumud, Indian Law of Marriage and Divorce, Fourth Edition, P. 103, Bombay, 1981.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب برابر ہوجائیں اور پھر کسی کو "اِدھر اُدھر" ہونے کی گنجائش ہی نہ رہ جائے۔

نیز اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ جب تک یکساں سوڈ نافذ نہ ہوجائے اس وقت تک بعض ایسے قوانین کا سہارا لینا چاہیے جن کی بنا پر تبدیلیٔ مذہب پر پابندی عائد ہو تاکہ کوئی پہلی شادی کے برقرار رہتے ہوئے دوسری شادی نہ کرسکے۔ جیسا کہ ایک قانون دان نے حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> Until uniform rules of monogamy are enacted for the country, provisions may be made by statutory enactment removing the change of religion as a ground of matrimonial reliefs and putting restriction on the spouse who changes religion to contract another marriage so long as his first marriage subsists.[36]

اس طرح اب ہندو قوم اپنے مذہب کی اصلاح کی آڑ میں دوسرے مذاہب پر بھی حملہ آور ہونا چاہتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ علمی و اخلاقی اعتبار سے نہ صرف ایک نامعقول اور ناشائستہ حرکت ہوگی بلکہ خود قانونی اور دستوری اعتبار سے بھی دیگر مذاہب میں ایک مداخلت تصور کی جائے گی، جس کا حکومت یا اُس کے اداروں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ حرکت "کرے کوئی بھرے کوئی" کا مصداق ثابت ہوگی۔

بہر حال قانون دان اس سلسلے میں مختلف طریقوں سے سوچ رہے ہیں۔ اب دیکھئے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے! اگر یہ بات تو طے ہے کہ خلافِ فطرت فیصلہ کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں جنسی انحرافات کا ایسا سیلاب آئے گا جو سارے انسانی اقدار (HUMAN VALUES) کو اپنے ساتھ بہالے جائے گا۔

نقص اور تضاد، انسانی قانون کا لازمہ

اصل میں یہ اور اس قسم کے تمام نقائص انسانی قوانین کا لازمہ ہیں۔ انسان کی عقل محدود اور اُس کے تجربات محدود ہیں، لہٰذا وہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی کا خود فیصلہ ہرگز

---

36. Bagga, V. (Ed), Studies in The Hindu Marriage and The Special Marriage Acts, P. 294, Bombay, 1978.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کرسکتا بلکہ اُسے اس سلسلے میں اُس کے خدا کی رہنمائی حاصل کرنا قدم قدم پر ضروری ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین تو چند دن بھی چل نہیں سکتے۔ مثال کے طور خود ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ ہی کو لے لیجئے، جس میں موجود نقائص کو دور کرنے کے لیے ۱۹۷۶ء کے قوانین شادی (ترمیمی) ایکٹ[37] کو نافذ کرنا پڑا۔ مگر اس کے باوجود اب بھی اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں یہ قانون "اصلاح در اصلاح" سے دوچار نہ ہوگا؟

انسانی قانون کا سب سے بڑا لازمہ نقص کے ساتھ ساتھ تضاد (CONTRADICTION) بھی ہے۔ اور اس کا بھرپور نمونہ نفقہ (MAINTENANCE) کے سلسلے میں حکومت ہند کے بنائے ہوئے متعدد قوانین کے درمیان دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء

۲۔ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء

۳۔ ہندو اڈاپٹیشن اینڈ مینٹیننس ایکٹ ۱۹۵۶ء

۴۔ کریمنل پروسیجر کوڈ، یعنی ضابطۂ فوجداری ۱۹۷۳ء

یہ چاروں ایکٹ عدم یکسانیت کے باعث تعارض و تضاد سے بھرپور ہیں۔ کسی میں کچھ ہے تو کسی میں کچھ ——— اور ان میں قانونی الجھاوے اور پیچیدگیاں اس قدر ہیں کہ وہ ایک اچھا خاصہ معمہ یا چیستاں معلوم ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایک قانون داں اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہے ان کی تشریح کر سکتا ہے۔ اگر کسی ایک ایکٹ میں عورت کو اُس کا یہ "حق" نہ ملے تو اُسے کسی دوسرے ایکٹ کے تحت دلوا سکتا ہے۔

چنانچہ اس قانون کا ایک تضاد ملاحظہ ہو کہ جہاں ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ طلاق، فسخ (ANNULMENT) اور ابطال نکاح (NULLITY) ان تینوں صورتوں میں عورت بیوی نہیں رہتی اور اُسے نفقہ حاصل کرنے کے لیے دعویٰ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ مگر معاً یہ بھی کہا جاتا ہے چونکہ عورت کو بے سہارا چھوڑا بھی نہیں جا سکتا اس وجہ سے اُسے مستقل نفقہ دینا ضروری ہوگا۔

.... in case of divorce, nullity and annulment the marriage is completely ended. In these instances the women is no more a wife and so has no

---

37. The Marriage Laws (Amendment) Act, 1976.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

valid claim to maintenance. In order that the women may not be left unprotected, Hindu Marriage Act provides that the relief of permanent maintenance may be granted in case any primary relief is granted under the Act.[38]

یعنی ایک طرف ایک عورت کا کوئی حق بھی نہیں ہے، مگر دوسری طرف اُسے یہ حق پوری طرح حاصل بھی ہے۔ معلوم نہیں یہ قانون مطابق عقل کس طرح ہوا؟

غرض ہندو میرج ایکٹ کا ایک بہت بڑا نقص یہ بھی ہے کہ عورت کے بانجھ یا کسی دائمی مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود، مرد کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے، — جب کہ قدیم ہندو قانون کے مطابق اس کی اجازت تھی — بلکہ اس صورت میں اُسے پہلی بیوی کو طلاق دینی پڑے گی، ورنہ دوسری شادی نہیں ہو سکتی اور پھر لطف یہ ہے کہ طلاق دینے کے باوجود اُسے پہلی بیوی سے پوری طرح چھٹکارا بھی نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اُس کے گلے میں "نفقہ کی زنجیر" پڑی رہے گی۔ یعنی پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد اُسے عمر بھر نفقہ بھی دینا پڑے گا اور اس موقع پر قانون کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ ایسی بانجھ یا دائم المریض مُطلّقہ کا حشر — مستقل نفقہ پانے کے باوجود — کیا ہوگا؟ آیا وہ کسی قریبی عزیز کے نا ہونے کی صورت میں خود سے ایک "محفوظ" اور باعزت زندگی بسر کر بھی سکے گی یا نہیں؟ مگر یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ایسی "علت زدہ" عورت کی دوسری شادی ہونے سے تو رہی۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ ایک کمزور اور ناتواں عورت پر یہ ایک ظلم ہوگا کہ اُسے ایک ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جائے یا در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا جائے۔ آخر اس میں اس بیچاری عورت کا قصور کیا ہے؟ اور اُسے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟ ظاہر ہے کہ اُس کا بانجھ یا دائم المریض ہونا اس کا ایک فطری و طبعی نقص ہے، جس میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں ہے۔ تو کیا قانون اتنا ظالم اور بے رحم بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کو اُس کی نام نہاد "عزت نفس" کے نام پر اُسے فٹ پاتھ پر ڈھکیل دیا جائے؟ آخر اس میں کون سی معقولیت ہے؟ یہ عورت کی تکریم نہیں بلکہ اُس

---

38. Agarwala, Raj Kumari, Matrimonial Remedies under Hindu Law, P. 113, Bombay, 1974.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص ایک "علت زدہ" بیوی کو اپنے ساتھ رکھتے اور اُس کی خبر گیری پوری طرح کرتے ہوئے دوسری شادی کرتا ہے تو آخر اس میں بُرائی کیا ہے؟ اور ان دونوں کو علیحدہ کرنے میں کون سی دانش مندی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اقدام ایک ایسی مُطلقہ کو بدکاری یا جنسی انحراف (SEXUAL DEVIATION) پر مجبور کرسکتا ہے۔ درحقیقت یہ مہمل اور غیر معقول قانون، محض مغرب کی نقالی اور "آزادیٔ نسواں" کی نام نہاد تحریک کے دباؤ اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔

نیز عصر جدید کا یہ بھی ایک عجیب و غریب تضاد ہے، جو سمجھ سے باہر ہے، کہ ایک طرف آزادیٔ نسواں کے علمبردار مرد اور عورت کی مکمل مساوات اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف طلاق کی صورت میں عورت کو مرد سے عمر بھر یا تا نکاح ثانی نفقہ بھی دلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عورت ہر اعتبار سے مرد کے برابر ہے تو اس کا مرد سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد نفقہ طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ بلکہ یہ مطالبہ خود ثابت کرتا ہے کہ عورت ہرگز مرد کے برابر نہیں ہے۔

تعدّدِ ازدواج اور حیلہ سازی

۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت دراصل قدیم ہندو قانون کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ اب وہ نہ تو صحیح معنی میں ہندو قانون ہے اور نہ اصلاحی قانون۔ پھر طرفہ یہ کہ اب اُس کی حیثیت محض ایک کاغذی رہ گئی ہے، جس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بعض عجیب و غریب حیلے اور مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے پہلے ایسا ہوتا تھا کہ عیسائی لوگ اپنے مذہب کی تنگ دامانی کے باعث نکاح ثانی کے لیے اسلام یا ہندو مذہب اختیار کر لیتے تھے۔ مگر ۱۹۵۵ء کی پابندی کے بعد ہندو اصحاب مسلمان بن کر دوسری شادی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ۱۹۰۷ء میں ایک مقامی عیسائی نے (جس کی بیوی زندہ تھی) ایک ہندو عورت سے ہندو رسم و رواج کے مطابق اپنا مذہب تبدیل کیے بغیر شادی کر لی، تو مدراس ہائی کورٹ نے اس کو دوزوجگی (BIGAMY) کا مجرم ٹھہرایا۔ کیونکہ ایک عیسائی کے لیے دوسری شادی جائز نہیں ہے[۳۹]۔

---

۳۹ دی ہندو میرج اینڈ اسپیشل میرج ایکٹ، صہ ۲۸۸
۲۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) ۱۹۱۰ء میں ایک دوسرے مقدمے میں مدراس ہائی کورٹ نے، ایک عیسائی کے بارے میں جس کی ایک عیسائی بیوی موجود تھی، اس نے ہندو مذہب اختیار کر کے ایک ہندو عورت سے ہندو رسوم کے مطابق شادی کرلی، تو یہ فیصلہ دیا کہ وہ دوزوجگی کا مجرم نہیں ہے۔[۴۰]

(۳) ۱۹۵۰ء کے دہے میں میسور اور مدراس کے ہائی کورٹوں نے فیصلہ دیا کہ ایک ہندو جو عیسائی مذہب اختیار کر چکا ہے، اگر وہ دوسری شادی کرنے کے لیے پھر سے ہندو مذہب اختیار کرلے تو وہ انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت دوزوجگی کا مجرم نہیں گردانا جائے گا۔[۴۱]

(۴) ایسے واقعات بھی موجود ہیں جن کے مطابق وہ لوگ جو کثیر زوجگی والے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے انگلینڈ میں یک زوجگی کی رجسٹرڈ شادیاں کیں پھر ہندوستان واپس آکر اپنے پرسنل لا کے مطابق (پہلی شادی کے باقی رہتے ہوئے) دوسری شادی کی۔[۴۲] ایسے لوگوں کو بھی دوزوجگی کا مجرم نہیں ٹھہرایا گیا۔

(۵) ایک عجیب سی صورتِ حال اُس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب ایک شوہر (پہلی ہندو بیوی کے ہوتے ہوئے) اسلام قبول کر کے اسلامی قانون کے مطابق کسی ایسی ہندو لڑکی سے شادی کرلیتا ہے جو شادی سے پہلے اسلام قبول کر چکی ہو۔ پھر شادی کے کچھ عرصے بعد وہ دونوں پھر سے ہندو مذہب اختیار کرلیتے ہیں۔ (نتیجہ یہ کہ) دونوں شادیاں باضابطہ طور پر صحیح ہوتے ہوئے بھی شاید وہ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کے تحت دوزوجگی کے دائرہ سے باہر ہیں۔[۴۳]

اس طرح اسلام کے جائز کردہ تعدد ازدواج یا کثیر زوجگی کے علاوہ اُس کا قانونِ طلاق بھی آسان ضوابط پر مشتمل ہے، جو دیگر مذاہب کے ضوابط کی طرح انتہائی مشکل اور پیچیدہ نہیں ہے، اس لیے غیر مسلموں کو جب کبھی طلاق کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنے مذہب اور قانون کی الجھنوں سے نجات پانے کے لیے اسلامی قانون ہی کو باعث رحمت سمجھتے ہوئے یہی نسخہ آزماتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

(۶) دو افراد کی شادی ہندو قانون کے مطابق ہوئی تھی۔ (مگر بعد میں کسی وجہ سے) بیوی نے اسلام قبول کر کے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں (طلاق کا) مقدمہ دائر کر دیا، جس کی وجہ سے یہ شادی مسلم لا کے مطابق منسوخ کر دی گئی۔ پھر دوبارہ ہندو مذہب میں لوٹ گئی اور ایک (دوسرے

---

۴۰ ایضاً ص ۲۸۸ ۴۱ ایضاً ص ۲۸۹ ۴۲ ایضاً ص ۲۹۰ ۴۳ ایضاً ص ۲۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندو سے (اپنی پسند کے مطابق) شادی کرلی۔[۴۳]

(۷) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہندو مرد اور ایک ہندو عورت، جو آپس میں میاں بیوی ہیں، اپنے باہمی اختلاف کے باعث ایک دوسرے سے (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) علیحدہ ہوجانے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان کا مذہب اور قانون انھیں آسانی کے ساتھ جدا ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا وہ دونوں آپس میں سمجھوتہ کرکے پہلے اسلام قبول کرلیتے ہیں پھر اسلامی قانون کے مطابق طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجانے کے بعد پھر دوبارہ ہندو مذہب میں لوٹ آتے ہیں۔ اور اپنی اپنی پسند کی شادی دوبارہ کرلیتے ہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اُسے کسی جائز چیز سے روک دیا جائے تو وہ دوسرے ذرائع اور حیلوں سے اُسے حاصل کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ لہٰذا ایک خلاف فطرت قانون بنا کر لوگوں کو اس پر چلانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ فطرت کے خلاف ایک جنگ ہے جو کبھی جیتی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ اس سلسلے میں توازن اور ہوش مندی سے کام لیا جائے۔ غلط تحریکوں اور پروپیگنڈوں کے دباؤ میں آکر وقت، دماغ اور توانائیوں کو خواہ مخواہ برباد نہ کیا جائے۔

ایک آسان اور باعث رحمت قانون

اس پوری بحث سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی قانون نہ صرف ایک آسان اور ہر ایک کے لیے قابل عمل ضابطہ ہے بلکہ وہ افراط و تفریط یا اونچ نیچ سے پاک ہونے کی وجہ سے پوری دنیا کے لیے رحمت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ دیگر قوموں کا بار بار اسلامی قانون کے دامن میں پناہ لینا (خواہ وہ دنیوی مقاصد ہی کے لیے کیوں نہ ہو) یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک مقبول عام اور عالمگیر قانون بننے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ سارے عالم کے لیے یکساں مدنی قانون (یونیفارم سول کوڈ) بن سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی یونیفارم سول کوڈ بنانا ہی ہے تو پھر اسلامی قانون کو اس کے لیے منتخب کرنا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے تمام عائلی قوانین (FAMILY LAW) میں یہی واحد قانون ہے جو اپنی آسانی، توازن اور معقولیت

---

[۴۳] ایضاً ص ۲۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر اس کے لیے موزوں تر ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب اور قوموں کے قوانین اپنی مشکل پسندی، پیچیدگی اور عدمِ معقولیت کی بنا پر اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔

یہودی، اسلامی اور ہندو شرائع کا اتفاق

خلاصۂ بحث کے طور پر دو باتیں پوری صراحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ اسلام واحد مذہب نہیں ہے جس نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہو۔ بلکہ قدیم و جدید دنیا کے اکثر و بیشتر مذاہب اور تقریباً تمام قوموں میں اس کا رواج رہا ہے۔ اور جیسا کہ MURDOCK (۱۹۴۹ء) کے حوالے سے گزر چکا آج بھی دنیا کے ۵۵۴ معاشروں میں سے ۴۱۵ میں اس کا رواج پایا جاتا ہے اور دوم یہ کہ مسلمان باوجود شرعی و قانونی اجازت کے آج بھی عموماً یک زوجگی ہی کے پابند ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے خلاف اس سلسلے میں کیا جانے والا پروپیگنڈا ایک سیاسی کرتب (STUNT) اور مغالطہ آرائی ہے۔

نیز اس بحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ تعددِ ازدواج کو بالکلیہ رد کرتے اور یک زوجگی پر اصرار کرنے کا نتیجہ سوائے جنسی انارکی اور لاقانونیت کے اور کچھ نہیں ہے۔ خلاقِ عالم اپنی مخلوقات اور ان کے طبائع و مصالح کا علم زیادہ بہتر طور پر رکھتا ہے اور انسان اپنے ناقص علم و تجربے کی بنا پر خیر و شر کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کر سکتا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ جس کو "شر" سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے وہ مجموعی اعتبار سے عین "خیر" ہو۔ اور اسی طرح جس چیز کو وہ خیر سمجھ کر اختیار کر رہا ہے وہ عین شر قرار پا جائے۔ چنانچہ اس کا مشاہدہ ہمیں جدید دنیا کے سرعت کے ساتھ بدلتے ہوئے عائلی قوانین (FAMILY LAW) کے مطالعہ و مشاہدہ سے بخوبی ہو جاتا ہے، جن میں خود ہندوستان کے بدلتے ہوئے فیملی قوانین اور کوڈ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ آج ایک قانون کو بہتر سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے تو کل اس کو ناکارہ تصور کر کے رد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح آج جس قانون کو ناکارہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا وہ کل نہایت درجہ موزوں نظر آنے لگتا ہے۔ اس طرح انسان مسلسل تجرباتی و ارتقائی دور سے گزر رہا ہے اور اس باب میں وہ اب تک کسی "ٹھہراؤ" یا "ثباتِ منزل" سے آشنا نہیں ہو سکا ہے۔

اس کے برعکس یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اسلامی قانون چودہ سو سال سے لے کر آج تک کسی قسم کے تنزل یا ارتقاء سے ناآشنا ہوتے ہوئے بالکل تازہ دم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آرہا ہے۔ گویا کہ وہ ابھی ابھی نازل ہوا ہے۔ یہ رسول اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعجاز اور اسلام کی صداقت و برتری کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ آج دنیا کی تمام متمدن قومیں شعوری یا غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انھیں کسی نہ کسی شکل میں قبول کرنے پر مجبور نظر آرہی ہیں۔

اس اعتبار سے خیال ہوتا ہے کہ اہل ہند کو بھی ایک نہ ایک دن اسلامی قانون کو قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ میں طلاق وغیرہ کے سلسلے میں جو سختیاں موجود تھیں انھیں ۱۹۷۶ء کے ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ بہت بڑی حد تک کم کر دیا گیا ہے، جو دراصل اسلامی قانون ہی کی طرف ایک "پیش رفت" ہے۔ اگرچہ اسلامی قانون کو پوری طرح اختیار نہیں کیا گیا ہے، مگر بتدریج ہندو قانون اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہی حال مغربی دنیا کا بھی ہے کہ قدیم عیسائیت میں طلاق کے سلسلے میں جو سختیاں موجود تھیں وہ جدید قوانین میں کافی حد تک "نرم" کر دی گئی ہیں[۴۵]۔ لہٰذا عصر جدید کا یہ بھی ایک بہت بڑا تضاد ہے کہ وہ ایک طرف اسلامی قوانین سے استفادہ بھی کر رہا ہے تو دوسری طرف اُسے بُرا بھلا بھی کہہ رہا ہے۔ اس دورنگی کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

---

۴۵ اس موضوع پر ایک کتاب "طلاق اسلام اور عائلی قوانین میں" زیر تکمیل ہے، جو انشاء اللہ بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

مسلم نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے پڑھیے

Radiance
VIEWSWEEKLY

Baradari, Ballimaran, Delhi - 110006

مسلمانانِ ہند کا موثر ہفتہ وار انگریزی ترجمان

اشاعت کا پچیسواں سال

چندہ سالانہ ____ ۱۰۰ روپے
ششماہی ____ ۵۰ روپے

© rasailojaraid.com